101

اپنے معاملات صاف کرو

(فرمودہ ۱۹؍ نومبر ۱۹۲۰ء)

حضور نے تشہد و تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"مَیں نے بتایا تھا کہ ایمان کی تکمیل کے لیے بہت ہی تفصیلات ہیں جن کا لحاظ ضروری ہے۔ ان کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا اور انسان وہ فوائد حاصل نہیں کر سکتا۔ جو مذہب کے ذریعہ خدا دُنیا کو پہنچانا چاہتا ہے۔ اس مضمون کے کچھ حصے بیان کئے تھے اور ایک بات میں اس میں سے آج بیان کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے خود بنی نوع کے نفع کی غرض سے شریعت کے قوانین مقرر فرمائے ہیں۔ اگر کوئی چوری نہیں کرتا ہے تو اس میں خدا کا فائدہ نہیں۔ اگر کرتا ہے تو اس کا نقصان نہیں۔ کوئی قتل کرتا ہے تو اللہ کا نقصان نہیں۔ نہیں کرتا تو فائدہ نہیں۔ وہ اپنی ذات میں کامل ہے۔ انسان پیدا ہوتا یا نہ ہوتا تو اس کی حکومت پر اس کا کچھ اثر نہیں۔ پس جسقدر احکام شرعیہ ہیں ان سب میں انسان کا فائدہ ہے مگر بعض احکام میں انسان کو نفع نظر آتا ہے بعض میں نہیں۔ جب انسانوں کے علم و تجربہ میں فرق ہوتا ہے تو اس وقت بھی بعض باتوں کے فرق بعض کو نظر آتے ہیں۔ بعض کو نہیں۔

مثلاً بچے میں اور ماں باپ میں فرق ہوتا ہے۔ بچہ کا فرض ہوتا ہے کہ ماں باپ کی بات بے چون وچرا مانے۔ کیونکہ ماں باپ کے احکام تجربہ کی بنا پر ہیں اور بچہ ان حالتوں سے واقف نہیں۔ اگر بچہ انکار کرے۔ تب لوگ اس کو ملامت کرینگے۔ جب بچہ جوان ہوتا ہے تو ماں باپ بھی اس کو پہلے کی طرح احکام نہیں دیتے اور نہ وہ تفصیلات ہیں اس طرح ماں باپ کے احکام ماننے کے لیے تیار ہوتا ہے تاہم۔ بچہ پر ماں باپ کی اطاعت فرض ہوتی ہے۔ لیکن ماں باپ کا تجربہ محدود ہے خدا کا محدود نہیں۔ کیونکہ خدا انسان کو پیدا کرنے والا ہے۔ پیدا کرنے والے سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہو سکتی بعض اوقات ماں باپ کا تجربہ غلط بھی ہوتا ہے۔ مثلاً جب چیچک کا ٹیکا نکلا۔ اس وقت عام طور پر لوگوں میں خیال

تھا کہ سرکار بچوں کو مارنا چاہتی ہے۔ اس لیے جب ٹیکا لگانے والے آتے۔ تو بچوں کو چھپا دیتے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ محض اس ماں باپ کی بدگمانی کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں بچے ہلاک ہو جاتے اور ان کی صورتیں بگڑ جاتیں۔ تو یہ ماں باپ کے غلط تجربے اور محض بدگمانی کا نتیجہ تھا۔ جو بچوں کو بھگتنا پڑتا تھا لیکن خدا تعالیٰ کے احکام کی یہ حالت نہیں کیونکہ وہ جانتا ہے۔ اور اس کا علم ازلی اور حکمت ازلی ہے۔

بعض لوگ ہوتے ہیں جو پوچھا کرتے ہیں کہ عصر کی چار رکعتیں کیوں ہیں؟ اور مغرب کی تین کیوں؟ لیکن ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ڈاکٹر جب دوا دیتا ہے تو وہ نسخہ میں بعض دواؤں کے تین قطرے لکھتا ہے۔ بعض کے چار۔ بعض کے زیادہ۔ بعض کے کم۔ مریض کا یہ حق نہیں کہ پوچھے کہ دوائیں کم و بیش کیوں ڈالتا ہے۔ اگر کوئی پوچھنے پر مصر ہو تو ڈاکٹر نسخہ کو پھاڑ دیگا۔ پس ڈاکٹر جو لکھتا ہے مریض کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ اور بعض دفعہ ڈاکٹر بھی تفصیل نہیں بتا سکتا۔ اس کے پاس الفاظ نہیں ہوتے یا الفاظ تو ہوتے ہیں۔ مگر وہ نتیجہ حسب منشاء نہیں نکال سکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اگر وہ کسی چیز کی تفصیل بیان نہ کرے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ انسان اس مطلب کو نہیں سمجھ سکتا۔ اور اس فرق کو معلوم نہیں کر سکتا۔ اگر ڈاکٹر نہیں جانتا۔ تو اس پر اعتبار کیا جاتا ہے خدا جانتا ہے اس کے جاننے پر اعتبار نہیں کیا جاتا۔

ہر چیز کا سبب ہوتا ہے مگر بہت دفعہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ نماز کی مختلف اوقات کی رکعتوں میں کمی بیشی کا سبب ہے۔ مگر قدرت نے اس لیے بیان نہیں کیا کہ انسان نہیں سمجھ سکتا۔ ڈاکٹر بعض اوقات دواؤں کے فرق نہیں بتا سکتا۔ مگر وہ یہ کہتا ہے کہ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ دوا اس مقدار میں دینا مفید ہوگا۔ اسی طرح بعض لوگ نیچا کرتا پہنتے ہیں۔ بعض اونچا۔ اگر پوچھا جائے تو عام طور پر نہیں بتا سکیں گے ہاں یہ کہیں گے کہ ہمارے دل کو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے وجوہ ہیں۔ مگر وہ بیان نہیں کر سکتے۔

پس اللہ تعالیٰ نے اگر بیان نہیں فرمایا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کی اہلیت نہیں کہ اس فرق کو محسوس کر سکے۔ مثلاً بعض کیڑے ہیں کہ ہم آنکھ سے ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ ہاں اگر خوردبین ہو تو وہ دیکھے جا سکتے ہیں۔ اگر خوردبین والا دوسرے کو کہے کہ وہ کیڑا جاتا ہے تم کو نظر نہیں آتا؟ تو لوگ اس کو پاگل کہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کوئی لغو کام نہیں کرتا۔ چونکہ بندہ ان فرقوں کو محسوس نہیں کر سکتا اس لیے بعض تفصیلات اللہ تعالیٰ بیان نہیں فرماتا۔ اس لیے مومن کو چاہیئے کہ ان باتوں پر قیاس کر کے خدا کے ہر ایک حکم پر بلا چون وچرا عمل کر لیا کرے۔

مَیں آج ایک حکم بیان کرتا ہوں۔ اس کے لیے اسقدر تمہید کی ضرورت تو نہ تھی، مگر بعض لوگ بعض خاص اعمال میں کچے ہوتے ہیں۔ مثلاً اموال کا معاملہ ہے۔ لوگ قدرتاً مال کی طرف میل رکھتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ مال سے ہم آرام حاصل کرینگے۔ اور اس سے ہماری حفاظت ہوگی۔ مال کو چاہنا اس لیے نہیں ہوتا کہ مال سے ان کو محبت ہوتی ہے بلکہ اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مال سے وہ آرام کی اشیاء مہیا کرتے ہیں۔ بخیل بھی اسی لیے مال جمع کرتا ہے کہ اس کو اپنے آرام کا خیال ہوتا ہے مگر وہ ہر دفعہ یہ خیال کرتا ہے کہ شاید اس سے بڑی ضرورت پڑ جاتے اس لیے وہ مال خرچ نہیں کرتا ورنہ مال کی ذات سے اس کو محبت نہیں ہوتی۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ کوئی شخص روٹی لیکر سفر کو چلے اور جب بھوک لگے تو کہے شاید اس سے زیادہ ضرورت ہو۔ روٹی نہیں کھانی چاہیئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی بھوک سے جان نکل جاتی ہے۔ یہی حال بخیل کا ہوتا ہے۔ وہ آئندہ زیادہ ضرورت کے خیال سے کچھ بھی کسی ضرورت پر خرچ نہیں کرتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی جان نکل جاتی ہے۔ مال دوسروں کے قبضہ میں جاتا ہے۔

پس مال کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس میں کمزوری دکھاتے ہیں۔ مثلاً چوریاں ہوتی ہیں۔ جو لوگ چوریاں کرتے ہیں۔ اگر وہ خیال کریں کہ اگر ان کے ہاں چوری ہو تو ان کو کتنا صدمہ ہو تو وہ چوری سے باز آئیں۔ جو لوگ چوری کرتے ہیں جب تک ان کے جواب میں چوری نہیں ہوتی۔ وہ چوری کرتے ہیں۔ پنجاب کے بعض علاقوں میں جانوروں کی چوریاں ہوتی ہیں۔ جن کی چوری ہوتی ہے۔ وہ چوروں کے جانور چرا لیتے ہیں۔ پھر وہ جا کر ان کے جانور دیدیتے ہیں اور اپنے منتوں کے ساتھ لے لیتے ہیں۔ اس طرح بعض لوگ رات کو کھیتوں میں فصلیں کاٹ لیتے ہیں۔ اسی طرح لوگ ان کی فصلیں کاٹ لیتے ہیں۔ پھر ان کو معلوم ہوتا ہے کہ فائدہ کی بجائے نقصان ہوتا ہے۔

اسی طرح جو لوگ قرض لیتے ہیں اور پھر دینے میں حیل وحجت کرتے یا سستی کرتے یا مکر جاتے ہیں۔ وہ اپنے دشمن ہوتے ہیں نہ صرف اپنے ملک اپنی قوم کے بھی دشمن ہوتے ہیں۔ جب ان کو ضرورت پڑتی ہے تو گڑگڑاتے ہیں۔ مگر جب قرض خواہ مطالبہ کرتا ہے تو اس کو آنکھیں دکھاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی بدمعاملگی سے ڈر کر وہ لوگ جن کو سچی ضرورت ہوتی ہے۔ قرض لینے سے محروم رہتے ہیں کیونکہ جس شخص کے پاس وہ قرض لینے جاتے ہیں۔ وہ ان کی بات کا اعتبار نہیں کرسکتا۔ جبکہ پہلے وہ دیکھ چکا ہوتا ہے کہ فلاں شخص نے اس سے قرض لے کر کیا سلوک کیا۔ ایسے لوگ دو طرح مضر ہوتے ہیں اور دو قسم کے لوگوں کے لیے مضر ہوتے ہیں۔

(۱) وہ لوگ جو سچی ضرورت رکھتے ہیں ان کو قرض نہیں مل سکتا۔ (۲) وہ لوگ جن سے قرض لیتے ہیں آئندہ ان کو نیکی کرنے سے محروم کر دیتے ہیں اور نیز ایسے لوگ دوسرے لوگوں کو بد معاملگی کی تعلیم کرتے ہیں۔

خوب یاد رکھو جس طرح شریعت یہ کہتی ہے کہ دوسروں سے نیکی کرو۔ اس طرح یہ بھی کہتی ہے کہ محسن کے احسان کی قدر کرو۔ اور احسان فراموش نہ ہو۔ جو شخص تم کو ضرورت کے وقت قرض دیتا ہے وہ تمہارا محسن ہے۔ تم اس کے ساتھ شریفانہ برتاؤ کرو۔ اور جن آنکھوں سے لیا ہے انہی سے دو۔ بعض لوگ جب قرض لے جاتے ہیں۔ تو بہت الحاح سے کام لیتے ہیں۔ مگر جب وہ مانگنے آتا ہے تو اس کو کہتے ہیں۔ لاٹ صاحب بن گیا۔ ہر وقت سر پر چڑھا رہتا ہے۔ حالانکہ لینے والے کا حق تھا کہ وہ سختی کرے۔ مگر یہاں اُلٹا معاملہ ہے کہ جب مطالبہ کیا جائے۔ تو اس کو کہتے ہیں کہ یہ ہم پر حکومت کرنے لگا ہے۔

رسول کریمؐ سے کسی غیر مسلم شخص نے کچھ لینا تھا وہ آیا۔ اور سختی کرنے لگا بعض صحابہؓ کو بُرا معلوم ہوا۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں اس کا مقروض ہوں اس کو حق ہے کہ سختی کرے[1]

تو ضرورت کے وقت جاتے ہیں۔ اور لیتے ہیں لیکن جب ادائیگی کا وقت آتا ہے تو کبھی سامنے نہیں ہوتے اور ہمیشہ آنکھ بچا کر نکل جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر قرض خواہ لوگوں کے پاس کہے کہ آپ ہی لے دیں۔ تو کہتے ہیں کہ ہم اب نہیں دینگے کیونکہ اس نے ہمیں بدنام کیا ہے۔ گویا وہ اس کے باپ کی جائیداد میں سے کچھ اس سے مانگتا تھا۔ اس کا حق تھا۔ وہ کیوں نہ طلب کرتا۔ جو شخص ایسے کمینہ کو گالی دیتا ہے وہ حق ہے اگرچہ اخلاق گالی کی اجازت نہیں دیتا۔ کانے کو کانا کہنا حق ہے مگر اخلاق سے بعید ہے۔ چور کو چور کہنا جائز ہے لیکن مجسٹریٹ کے سوا کوئی نہیں کہہ سکتا۔ شریعت نے منع کیا ہے کہ کانے کو کانا کہا جائے۔ اسلئے کہ جو کانا کہتا ہے وہ اسکو چڑانا چاہتا ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کانے کو کانا کہنا درست ہے۔ اس طرح جو شخص کسی کا مال مارتا ہے۔ حق ہے کہ وہ اس کو چور یا ڈاکو کہے۔ کیونکہ یہ اس عیب کا مرتکب ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کا قاعدہ ہوتا ہے کہ قرض لیتے ہیں اور اس سے اپنی جائیداد بناتے ہیں۔ قرض دینے والا اس خیال سے کہ ان کو ضرورت ہے۔ ان کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم کر کے دے دیتا ہے، لیکن جب وہ مطالبہ کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ دس دن کو آنا۔ پھر جب جائے تو پھر دس دن توقف کرنے کو کہتے ہیں۔ اس طرح کئی دفعہ ہو چکنے کے بعد انکار کر بیٹھتے

---

[1] بیہقی بروایت مشکوٰۃ کتاب الفتن باب فی اخلاقہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہیں۔ یا بعض عدم گنجائش کا بہانہ کر بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ یہ کہنا ان کو جرم سے نہیں بچاتا۔ کیونکہ جب قرض لینے لگے تھے۔ ضروری تھا کہ اس وقت حیثیت کو سوچتے۔ نہ یہ کہ جب دینے کا وقت آیا۔ اس وقت گنجائش کا سوال اُٹھایا۔ پس جب قرض لینے لگے تھے اس وقت سوچنا تھا کہ ہم ادا بھی کر سکیں گے یا نہیں۔

مجھے قرآن کریم کی اس آیت پر ہمیشہ تعجب ہوا کرتا تھا کہ:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ۔

(البقرة: ۲۸۳) اس میں مدت کی شرط لگائی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے سمجھایا کہ اس میں دو فائدے ہیں۔ اوّل۔ دینے والے کے لیے (۲) لینے والے کے لیے۔ اوّل لینے والے کے لیے یہ فائدہ ہے کہ مثلاً مہینہ کا وعدہ ہے۔ تو مہینہ کے بعد جا کر طلب کریگا۔ یہ نہیں ہوگا کہ اس کو روز روز پوچھنا پڑیگا۔ اور نیز یہ بھی فائدہ ہوگا کہ جب مہینہ کا وعدہ ہوگا تو یہ حق نہیں ہوگا کہ دوسرے دن ہی مطالبہ شروع کردے۔ دوسرا فائدہ ہوگا کہ جب لینے والا لینے لگے گا۔ تو پہلے سوچے گا کہ میں جتنے عرصہ میں ادا کرنے کا وعدہ کرتا ہوں۔ اتنے عرصہ میں ادا بھی کر سکوں گا کہ نہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی آمدنی پندرہ بیس روپیہ ماہوار رکھتا ہے۔ اور ایک مہینہ کے وعدہ پر سو روپیہ قرض لیتا ہے۔ تو سوال ہوگا کہ وہ کہاں سے ادا کرے گا۔ اس لیے قرض دینے والا اس سے متنبہ ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر ایک زمیندار قرض لیتا ہے اور اس کی فصل اس کے قرض سے زیادہ یا برابر ہے تو وہ لے سکتا ہے۔ پس اس آیت میں یہ فوائد بتائے ہیں۔

اور اب ہر شخص کو سوچنا چاہیئے کہ وہ جو قرض لیتا ہے وہ اس کو ادا کر سکے گا یا نہیں۔ اگر نہیں ادا کر سکے گا۔ اور وہ قرض لیتا ہے تو یہ ٹھگی ہے۔ بعض وہ لوگ جو کہتے ہیں۔ گنجائش نہیں۔ ان کو ثابت کرنا چاہیئے کہ جب وہ لینے لگے تھے۔ اس وقت ان کو امید تھی کہ وہ قرض اُتار سکیں گے۔ مگر ناگہانی اسباب نے ان ذرائع کو منقطع کر دیا۔ اس لیے قرض اُتارنا ممکن نہ رہا۔ ورنہ گنجائش کا سوال بعد از وقت ہے۔

اگر کوئی شخص قرض لے کر نفع اُٹھاتا اور تجارت کرتا ہے۔ اور قرض خواہ کو قرض نہیں دیتا تو ضروری ہے کہ اس سے روپیہ لیکر اس کو دیا جائے۔ اگر وہ کہے کہ میری تجارت تباہ ہوگئی۔ تو اس کا روپیہ تھا ہی نہیں کہ یہ تجارت کر سکتا۔ اس نے جو نفع اُٹھایا اسی کو غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ جو لوگ اس طرح قرض لیتے ہیں اور آپ نفع اُٹھاتے ہیں اور قرض خواہ کو نہیں دیتے وہ نفع نہیں اُٹھاتے وہ آگ سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ پس جو معاملہ کرو، دیانت سے کرو۔ اور صفائی اس میں رکھو۔ قرض دینے والے کو چاہیئے کہ لکھ لے اور مدت مقرر کرلے اس میں دونوں کے لیے فائدہ ہے۔

بعض لوگ کام کچھ نہیں کرتے اور قرض لے کر گزارہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ توکل پر گزارہ کرتے ہیں۔ حالانکہ توکل انبیاء اور اولیاء کرتے ہیں۔ اور اس کے معنے ہیں کہ وہ شخص بادشاہ ہوگیا۔ کیونکہ جس طرح بادشاہ جب چاہتے ہیں ٹیکس لگا کر رقم وصول کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جو متوکل ہوتے ہیں۔ ان کی ضرورت خدا پوری کرتا ہے مگر یہ عجیب متوکل ہیں کہ لوگوں سے قرض لیتے ہیں اور دیتے نہیں۔

ہاں جو لوگ اپاہج ہوں یا معذور ہوں۔ ان کی مدد حکومت پر فرض ہے۔ اگر حکومت غیر مذہب کی ہو اور اس کا ایسا انتظام نہ ہو۔ تو پھر وہ جس جماعت سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس جماعت کے امام کا اور بیت المال کا فرض ہے کہ ان کی ضروریات پُورا کرے۔

لیکن جس طرح بعض لوگ قرض لینے میں بدمعاملگی کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض دوکاندار بھی بدمعاملگی کرتے ہیں وہ بچوں یا عورتوں کو یا ایسے لوگوں کو جن کی آمد کی کوئی سبیل نہیں وہ محتاج یا اپاہج ہیں۔ اور ان کا بار بیت المال پر ہے۔ قرض دیتے ہیں اور بچوں کے باپ کو اور عورت کے خاوند اور اپاہجوں کے قرض کے لیے انجمن کو مجبور کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ شور ڈالنے سے مل ہی جائے گا۔ حالانکہ ان کا فرض ہے کہ یہ قرض اس کو دیں۔ جس پر ان کو ذاتی اعتماد ہو۔ اور وہ شخص ذاتی آمدنی رکھتا ہو۔ اگر کوئی شخص ایسا نہیں کرتا تو وہ بھی ٹھگی کرتا ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے معاملات کی خرابی سے جماعت کو بدنام کرتے ہیں۔ اس لیے بہتر ہو کہ ایسے لوگ اپنے رویہ کی اصلاح کریں۔ ورنہ ان کو جماعت سے الگ کر دیا جائے گا۔ مذہب سے الگ کرنا تو اختلاف عقائد سے ہوتا ہے مگر جس شخص کا رویہ جماعت کے لیے مضر ہو۔ اس کو جماعت سے الگ کیا جاسکتا ہے۔

مَیں ان اصحاب کو بھی نصیحت کرتا ہوں جو سُستی سے کام لیتے ہیں کہ وہ سُستی کو چھوڑ دیں۔ یاد رکھو کہ یہ معاملات کی اچھائی یا بُرائی ہے۔ جس کی بناء پر غیر شخص تمہارے متعلق رائے قائم کرتے ہیں۔ اگر معاملات اچھے ہیں تو لوگ تمہاری بات سن سکتے ہیں۔ اگر نہیں تو ساری جماعت چند آدمیوں کی خاطر ٹھگ کہلائے گی۔ اور مثال میں دو چار نام لے دینا ہی کافی خیال کیا جائیگا۔

پس جو قرض دیتا ہے وہ محسن ہے۔ سچی ضرورت کے وقت لو اور میعاد معینہ میں ادا کرو۔ اگر کسی معقول وجہ سے نہیں اُتار سکتے تو نرمی اور خندہ پیشانی سے اس کو یقین دلاؤ کہ میں ان وجوہ سے اب ادا نہیں کرسکا۔ پھر آئندہ کر دونگا اور جب روپیہ آئے۔ تو پہلے قرض خواہ کے روپے ادا کرو۔ حضرت رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ میں مَیں نے عورتوں کو زیادہ دیکھا۔ بوجہ ان کے ناشکرگزار ہونے کے تو ناشکروں کی سزا جہنم ہے۔ لوگ معاملات سے حالات کا اندازہ کرتے ہیں۔ نمازوں سے نہیں۔ اگر اس طرح تبلیغ کے رستہ کو بند کر دیا تو پھر کوئی عمدہ رستہ نہیں۔ پس اپنے معاملات کی دُرستی پر بہت زور دو۔

اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو اس بات کے سمجھنے کی توفیق دے۔ آمین :

(الفضل ۲۵ر نومبر ۱۹۲۰ء)